THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

تذکرۃ الاولیاء میں رمز و حکایت کے ذریعے اخلاقی اور روحانی تربیت

Ethical and Spiritual Formation through Symbol and Narrative in Tadhkirat al-Awliya

1. Dr. Hafiz Mansoor Ahmad (Corresponding Author)
Assistant Professor, Department of Persian Language and Literature, University of Sargodha (UOS), Sargodha, Pakistan.
Email: mansoor.ahmad@uos.edu.pk
2. Sana Hayat
M.Phil, Department of Persian Language and Literature, University of Sargodha (UOS), Sargodha, Pakistan.
Email: sanahayat134@gmail.com
3. Ishrat Batool
M.Phil, Department of Persian Language and Literature, University of Sargodha (UOS), Sargodha, Pakistan.
Email: askarikhan5200@gmail.com

Abstract

Tadhkirat al-Awliya brings together accounts of Sufi lives, sayings, and exemplary conduct within a literary setting rich in ethical significance. This article examines the study's interpretation of symbol and narrative as means of moral and spiritual formation. It asks how stories and indirect expressions connect the representation of saintly lives with the reader's reflection on conduct, responsibility, and the spiritual path. The method is descriptive and interpretive, drawing on the article's Persian passages, Urdu translations, and thematic commentary with attention to the sequence, context, and ethical significance of the examples. Four areas organize the analysis: the historical and literary presentation of the work, the significance of symbolic expression, ethical teachings conveyed through narratives, and the reader-oriented effects proposed by the discussion. The discussion considers the movement from outward wording to inward meaning and the association of symbolic language with patience, contentment, trust, simplicity, and humility. Narratives concerning Sufi figures are read as concrete representations through which otherwise abstract virtues become intelligible. The analysis also examines the relationship between reflection, spiritual development, ethical correction, and practical formation. Its central conclusion is that narrative and symbolism function together in the article's account: narrative supplies a recognizable human situation, while symbolism opens that situation to further moral interpretation. The article contributes a connected reading of literary form and educational purpose in Persian Sufi prose. The analysis further distinguishes the exemplarity of a narrated action from the reader's own responsibility to interpret it. This allows the article to explain the formative possibilities attributed to Sufi biography while retaining attention to the literary mediation through which exemplary lives become meaningful.

Keywords: Tadhkirat al-Awliya; Attar; Symbolism; Sufi Narrative; Ethical Formation; Trust; Patience; Persian Prose

تعارف موضوع

"تذکرۃ الاولیاء" فرید الدین عطار نیشاپوری کی وہ عظیم تصنیف ہے جسے صوفیانہ ہیجانو گرافی (صوفیاء کے حالات زندگی) کا شاہکار تصور کیا جاتا ہے۔ یہ کتاب ۷۲ مشہور و معروف صوفیاء اور اولیاء اللہ کے حالات، اقوال، اور کرامات پر مشتمل ہے۔ عطار نے اس کتاب میں رمز، حکایت اور تمثیل کے ذریعے اخلاقِ محمدی ﷺ کی جمالیاتی

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

تعبیر پیش کی ہے۔ تذکرۃ الاولیاء نہ صرف صوفیانہ تعلیمات کا ایک اہم ماخذ ہے بلکہ اس میں نبوی اخلاق کو صوفیاء کے کردار اور گفتار کے ذریعے بڑے خوبصورت اور مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس مضمون میں ہم تذکرۃ الاولیاء کے تعارف، اس کے رمزی اسلوب کی معنویت، اس کی حکایات میں موجود اخلاقی تعلیمات، اور قاری پر اس کے اثرات کا تفصیلی جائزہ لیں گے۔ ہم دیکھیں گے کہ کس طرح عطار نے اولیاء اللہ کے واقعات اور اقوال کے ذریعے نبوی اخلاق کی تعبیر پیش کی ہے اور کس طرح ان حکایات نے صدیوں سے قارئین کو فکری، روحانی، اور اخلاقی طور پر متاثر کیا ہے۔

مبحث اول: تذکرۃ الاولیاء کا تعارف

تذکرۃ الاولیاء عطار کی نثری تصانیف میں سب سے اہم ہے۔ یہ کتاب صوفیاء کے حالات زندگی کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس نے صدیوں سے قارئین کو متاثر کیا ہے۔ عطار نے اس کتاب میں نہ صرف صوفیاء کے ظاہری حالات بیان کیے ہیں بلکہ ان کے باطنی اسرار اور اخلاقی خوبیوں کو بھی بڑے گہرے انداز میں پیش کیا ہے۔ اس مبحث میں ہم تذکرۃ الاولیاء کے تاریخی پس منظر، ادبی اہمیت، صوفیانہ فکر، اور اخلاقی مقصد کا تفصیلی جائزہ لیں گے۔

ا۔ تاریخی پس منظر

تذکرۃ الاولیاء ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں تصنیف کی گئی۔ عطار نے یہ کتاب اس وقت لکھی جب وہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں تھے۔ اس کتاب میں انہوں نے اپنے سے پہلے کے بڑے صوفیاء کے حالات جمع کیے ہیں، جن میں حسن بصری، رابعہ بصری، فضیل بن عیاض، ابراہیم بن ادھم، بایزید بسطامی، جنید بغدادی، حلاج، اور ابوسعید ابی الخیر جیسی عظیم شخصیات شامل ہیں۔

محقق رینالڈ ایلن نکلسن نے تذکرۃ الاولیاء کے بارے میں لکھا ہے:

«تذکرة الاولیاء یکی از ارزشمندترین کتاب‌های صوفیه است و از حیث سبک و سیاق، یکی از شاهکارهای نثر فارسی به شمار می‌رود. عطار در این کتاب، به خوبی توانسته است شخصیت معنوی اولیاء را به تصویر کشد»[1]

ترجمہ: "تذکرۃ الاولیاء صوفیاء کی سب سے قیمتی کتابوں میں سے ایک ہے اور اسلوب وسیاق کے لحاظ سے فارسی نثر کے شاہکاروں میں شمار ہوتی ہے۔ عطار اس کتاب میں اولیاء کی روحانی شخصیت کو بخوبی تصویر کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔"

نکلسن نے تذکرۃ الاولیاء کو صوفیانہ ادب کا ایک بیش بہا خزانہ قرار دیا ہے۔ ان کے مطابق اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ عطار نے اولیاء کی ظاہری زندگی کے ساتھ ساتھ ان کی باطنی کیفیات کو بھی بڑے گہرے انداز میں پیش کیا ہے۔ یہ کتاب نہ صرف صوفیاء کے حالات کا مجموعہ ہے بلکہ ان کے روحانی تجربات اور اخلاقی اوصاف کا بھی ایک جامع بیان ہے۔ نکلسن نے اس کتاب کا انگریزی ترجمہ کیا اور اسے مغربی دنیا میں متعارف کرایا، جس سے تذکرۃ الاولیاء کو عالمی شہرت ملی۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا تاریخی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء نہ صرف اپنے دور میں بلکہ آج بھی صوفیانہ مطالعات کا ایک بنیادی ماخذ ہے۔

محمد رضا شفیعی کدکنی نے تذکرۃ الاولیاء کے تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

«تذکرة الاولیاء در دوره‌ای نوشته شده است که جهان اسلام با تهاجم مغول مواجه بود. عطار در چنین شرایطی، با نگارش این کتاب، می‌خواست به مردم بیاموزد که چگونه با صبر و توکل، بر دشواری‌ها غلبه کنند»[2]

ترجمہ: "تذکرۃ الاولیاء اس دور میں لکھی گئی جب عالم اسلام منگولوں کے حملے کا سامنا کر رہا تھا۔ عطار نے ایسے حالات میں یہ کتاب لکھ کر لوگوں کو سکھانا چاہا کہ وہ صبر اور توکل کے ذریعے مشکلات پر کیسے قابو پا سکتے ہیں۔"

تذکرۃ الاولیاء کا تاریخی پس منظر بہت اہم ہے کیونکہ یہ اس دور میں لکھی گئی جب منگولوں کے حملوں نے پوری اسلامی دنیا کو تہ وبالا کر دیا تھا۔ عطار نے خود ان حملوں کے اثرات کو محسوس کیا اور اسی دور میں وہ شہید ہوئے۔ اس کتاب میں انہوں نے صوفیاء کی زندگیوں کے ذریعے لوگوں کو صبر، توکل، اور رضا کی تعلیم دی ہے۔ عطار کے

---

[1] رینالڈ ایلن نکلسن، تذکرۃ الاولیاء (انگریزی ترجمہ)، مقدمہ (لندن: لوزاک اینڈ کمپنی، ۱۹۰۵)، ص xii

[2] محمد رضا شفیعی کدکنی، مقدمہ بر تذکرۃ الاولیاء (تہران: سخن، ۱۳۸۶ش)، ص ۱۵

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

نزدیک اولیاء اللہ کی زندگیاں اس بات کی بہترین مثال ہیں کہ کس طرح انسان مشکلات اور مصائب میں بھی اللہ پر بھروسہ رکھ سکتا ہے اور اپنے ایمان کو مضبوط رکھ سکتا ہے۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا تاریخی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء اپنے پر آشوب دور کے لیے ایک عملی رہنما کتاب تھی اور آج بھی اس کی تعلیمات اسی طرح متعلقہ ہیں۔

محققہ کلاڈیا یاگھوبی نے تذکرۃ الاولیاء کے تاریخی سیاق وسباق پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

«تذکرة الاولیاء، عطار در نیشابور و در آستانه حمله مغول نوشت. او در این کتاب، با الهام از قرآن و سنت، تصویری از اولیاء ارائه می‌دهد که می‌تواند الگویی برای مسلمانان در برابر سختی‌ها باشد»[3]

ترجمہ: "تذکرۃ الاولیاء، عطار نے نیشاپور میں اور منگولوں کے حملے کی آستین پر لکھی۔ انہوں نے اس کتاب میں قرآن وسنت سے الہام لے کر اولیاء کی ایسی تصویر پیش کی ہے جو مسلمانوں کے لیے مشکلات کے مقابلے میں نمونہ بن سکتی ہے۔"

تذکرۃ الاولیاء میں عطار نے اولیاء اللہ کے حالات کو بڑے مرتب اور منظم انداز میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے ہر صوفی کا تعارف، ان کے اقوال، ان کے کرامات، اور ان کے اخلاقی اوصاف کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہ کتاب اپنے دور کے مسلمانوں کے لیے ایک روشنی کا مینار تھی، جس نے انہیں بتایا کہ کس طرح ایمان اور اخلاق کی روشنی میں مشکلات کا سامنا کیا جاسکتا ہے۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا فکری اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء نہ صرف ایک تاریخی دستاویز ہے بلکہ ایک عملی رہنما کتاب بھی ہے۔

۲۔ادبی اہمیت

تذکرۃ الاولیاء کی ادبی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ یہ کتاب نہ صرف صوفیانہ تعلیمات کا ایک اہم ماخذ ہے بلکہ فارسی نثر کا ایک بہترین نمونہ بھی ہے۔ عطار نے اس کتاب میں نہایت سادہ، روانہ، اور مؤثر نثر لکھی ہے جو قاری کو باآسانی سمجھ آتی ہے اور اس کے دل پر گہرا اثر کرتی ہے۔

ادوارد براؤن نے تاریخ ادبیات ایران میں تذکرۃ الاولیاء کے بارے میں لکھا ہے:

«تذکرة الاولیاء از حیث نثر، یکی از شاهکارهای ادبیات فارسی است. عطار در این کتاب، با زبانی ساده و روان، به بیان احوال اولیاء پرداخته است و توانسته است خواننده را با خود همراه کند»[4]

ترجمہ: "تذکرۃ الاولیاء نثر کے لحاظ سے فارسی ادب کے شاہکاروں میں سے ایک ہے۔ عطار نے اس کتاب میں سادہ اور روانی سے اولیاء کے حالات بیان کیے ہیں اور قاری کو اپنے ساتھ ہم سفر بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔"

براؤن نے تذکرۃ الاولیاء کے ادبی اسلوب کو بہت سراہا ہے۔ ان کے مطابق عطار نے اس کتاب میں نہایت سادہ اور بے تکلف نثر لکھی ہے جو قاری کو باآسانی سمجھ آتی ہے۔ اس سادگی کے باوجود اس نثر میں ایک خاص قسم کی روانی اور دلکشی ہے جو قاری کو آخر تک پڑھنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ عطار نے کہیں بھی تکلف اور تصنع سے کام نہیں لیا ہے، بلکہ سادہ سے سادہ الفاظ میں گہرے سے گہرے مفاہیم کو بیان کر دیا ہے۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا ادبی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء نہ صرف ایک مذہبی کتاب ہے بلکہ ایک ادبی شاہکار بھی ہے۔

محققین نے تذکرۃ الاولیاء کے ادبی اسلوب میں "دلچسپ بیانیہ انداز" کی نشاندہی کی ہے۔ ان کے مطابق عطار نے خشک تاریخی حقائق کو دلچسپ حکایات میں ڈھال کر پیش کیا ہے، جس سے قاری اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ عطار نے ہر صوفی کے حالات کو ایک الگ کہانی کی طرح پیش کیا ہے، جس میں ابتداء، وسط، اور انتہا کا تسلسل موجود ہے۔ اس سے قاری کی دلچسپی برقرار رہتی ہے اور وہ باآسانی اولیاء کے اخلاقی اوصاف کو سمجھ سکتا ہے۔

---

[3] کلاڈیا یاگھوبی، "brace of Diversity" Din `Attar Nishapuri's Em-Submission versus Transgression: Farid al (2013 ,Dissertation, University of California, Santa Barbara)، ص ۴۵

[4] ادوارد براؤن، تاریخ ادبیات ایران، ترجمہ رشید یاسمی (تہران: بنیاد فرهنگ ایران، ۱۳۵۴ش)، ص ۲۹۸

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

محمد استعلامی نے تذکرۃ الاولیاء کے ایک مقدمے میں لکھا ہے:

«نثر تذکرة الاولیاء، نثری است شاعرانه و در عین حال، ساده و بی‌تکلف. عطار در این کتاب، توانسته است میان شعر و نثر تعادلی برقرار کند که کم نظیر است»[5]

ترجمہ: "تذکرۃ الاولیاء کی نثر ایک شاعرہ نثر ہے اور ساتھ ہی سادہ اور بے تکلف ہے۔ عطار اس کتاب میں شعر اور نثر کے درمیان ایک ایسا توازن قائم کرنے میں کامیاب ہوا ہے جو کم نظیر ہے۔"

تذکرۃ الاولیاء کے ادبی اسلوب کی ایک اور خاص خوبی یہ ہے کہ اس میں "فصاحت" اور "بلاغت" کے تمام عناصر موجود ہیں۔ عطار نے الفاظ کا انتخاب بڑی احتیاط سے کیا ہے اور جملوں کو بڑے مؤثر انداز میں ترتیب دیا ہے۔ ان کے جملے نہ تو بہت لمبے ہیں اور نہ بہت چھوٹے، بلکہ ایک متوازن اور مؤثر انداز میں لکھے گئے ہیں۔ انہوں نے جہاں ضروری سمجھا، وہاں قرآنی آیات اور احادیث کو بھی بڑے خوبصورت انداز میں نثر میں پرویا ہے۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا ادبی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء نثر کا ایک ایسا نمونہ ہے جہاں سادگی اور شاعرانگی دونوں موجود ہیں۔

۳۔ صوفیانہ فکر

تذکرۃ الاولیاء میں صوفیانہ فکر کو بڑے گہرے اور جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ عطار نے اس کتاب میں صوفیانہ تصورات جیسے توبہ، زہد، توکل، رضا، عشق، معرفت، اور فنا کو اولیاء اللہ کے کردار اور گفتار کے ذریعے بیان کیا ہے۔ تذکرۃ الاولیاء کی صوفیانہ فکر کا مرکز "اخلاقِ محمدی ﷺ" ہے۔ عطار نے ہر صوفی کو اس کی نبوی اخلاق سے قربت کے لحاظ سے پیش کیا ہے۔

عطار نے تذکرۃ الاولیاء کے مقدمے میں صوفیانہ فکر کے بارے میں لکھا ہے:

«این کتاب، یادگار اولیاء است و هر که در آن بنگرد، بوی معرفت از آن یابد. اولیاء را در این کتاب چنان بازنموده‌ام که گویی در پیش تو ایستاده‌اند و با تو سخن می‌گویند»[6]

ترجمہ: "یہ کتاب اولیاء کی یادگار ہے اور جو اسے دیکھے، اسے اس سے معرفت کی بو آئے گی۔ میں نے اولیاء کو اس کتاب میں اس طرح پیش کیا ہے جیسے وہ تمہارے سامنے کھڑے ہیں اور تم سے باتیں کر رہے ہیں۔"

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں صوفیانہ فکر کو "زندگی کی کتاب" کے طور پر پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ کتاب صرف اولیاء کے حالات کا مجموعہ نہیں بلکہ ان کے روحانی تجربات اور اخلاقی اوصاف کا ایک زندہ مجسمہ ہے۔ عطار نے ہر صوفی کو اس طرح پیش کیا ہے کہ قاری کو لگتا ہے جیسے وہ خود اس صوفی کے سامنے بیٹھا ہے اور اس سے باتیں کر رہا ہے۔ یہ عطار کی تحریر کا کمال ہے کہ انہوں نے ایک مردہ کتاب کو زندہ کرداروں میں تبدیل کر دیا ہے۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا صوفیانہ اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کوئی خشک تاریخی کتاب نہیں بلکہ ایک زندہ روحانی تجربہ ہے۔

---

[5] محمد استعلامی، مقدمہ بر تذکرۃ الاولیاء (تہران: زوار، ۱۳۸۵ش)، ص ۳۲

[6] فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء، تصحیح محمد استعلامی (تہران: زوار، ۱۳۸۵ش)، ص ۳

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں بایزید بسطامی کے حوالے سے صوفیانہ فکر کو یوں بیان کیا ہے:

«بایزید را گفتند: فلان کس به شب‌ها بیدار باشد و به روزها روزه دارد. گفت: خود را از برای خود به زحمت اندازد. گفتند: فلان کس بر آب می‌رود. گفت: مورچه بر گل می‌رود. گفتند: فلان کس در هوا می‌پرد. گفت: مرغ در هوا پرد، اما باز به زمین آید. مرد آن است که با خلق نشیند و برخیزد و بخورد و بخسبد و با خلق معامله کند و با خدا غافل نبود»[7]

ترجمہ: "بایزید سے کہا گیا: فلاں شخص راتوں کو جاگتا ہے اور دنوں کو روزہ رکھتا ہے۔ بایزید نے کہا: وہ اپنے آپ کو بے وجہ مشقت میں ڈال رہا ہے۔ کہا گیا: فلاں شخص پانی پر چلتا ہے۔ بایزید نے کہا: چیونٹی کیچڑ پر چلتی ہے۔ کہا گیا: فلاں شخص ہوا میں اڑتا ہے۔ بایزید نے کہا: پرندہ ہوا میں اڑتا ہے، لیکن پھر زمین پر آتا ہے۔ مرد وہ ہے جو لوگوں کے ساتھ بیٹھے اور اٹھے، کھائے اور سوئے، لوگوں سے لین دین کرے، اور پھر بھی خدا سے غافل نہ ہو۔"

تذکرۃ الاولیاء کی صوفیانہ فکر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ "معتدل تصوف" پیش کرتی ہے۔ عطار نے اس حکایت میں بایزید کے ذریعے ایک بہت اہم صوفیانہ اصول بیان کیا ہے۔ ظاہری عبادات (رات کو جاگنا، دن کو روزہ رکھنا) اور کرامات (پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا) کو بایزید نے مسترد کر دیا ہے۔ ان کے نزدیک حقیقت یہ نہیں ہے۔ حقیقی صوفی وہ ہے جو معاشرے میں رہ کر، لوگوں سے لین دین کر کے بھی خدا سے غافل نہ ہو۔ یہی اعتدال پسند تصوف ہے جو نبوی اخلاق کے عین مطابق ہے۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا صوفیانہ اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ عطار کے نزدیک حقیقی تصوف کا تعلق معاشرے سے بھاگنے سے نہیں بلکہ معاشرے میں رہ کر خدا کو یاد رکھنے سے ہے۔

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں رابعہ بصری کے حوالے سے صوفیانہ فکر کو یوں بیان کیا ہے:

«رابعه را گفتند: از چه خدا را دوست داری؟ گفت: از آنکه او مرا دوست داشت. گفتند: از ترس دوزخ؟ گفت: نه، اگر همه دوزخ آتش بودی و همه بهشت نور، مرا با او کاری نبودی. مرا از او به او با او کار است»[8]

ترجمہ: "رابعہ سے کہا گیا: تم خدا سے کیوں محبت کرتی ہو؟ انہوں نے کہا: اس لیے کہ اس نے مجھ سے محبت کی۔ کہا گیا: کیا جہنم کے ڈر سے؟ کہا: نہیں، اگر سارا جہنم آگ ہو اور سارا جہنم نور، مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ مجھے اس سے، اس کے لیے، اور اس کے ساتھ سروکار ہے۔"

تذکرۃ الاولیاء میں رابعہ کے اس قول نے صوفیانہ فکر میں "محبت" کے تصور کو ایک نیا رخ دیا۔ رابعہ نے خدا کی محبت کو کسی خوف یا طمع سے بالاتر قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک حقیقی عبادت کا مقصد جہنم سے بچنا یا جنت حاصل کرنا نہیں بلکہ محض خدا کی محبت ہے۔ یہی وہ تصور ہے جسے بعد میں "عشقِ الٰہی" کا نام دیا گیا۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا صوفیانہ اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ عطار کے نزدیک حقیقی عبادت کا محرک خوف یا طمع نہیں بلکہ خالص محبت ہونا چاہیے۔

۴۔ اخلاقی مقصد

تذکرۃ الاولیاء کا سب سے بڑا مقصد اخلاقی تربیت ہے۔ عطار نے یہ کتاب لوگوں کو اخلاقی خوبیاں سکھانے اور انہیں اخلاقی برائیوں سے بچانے کے لیے لکھی ہے۔ انہوں نے اولیاء اللہ کے کردار کو اخلاقی تعلیمات کا ایک عملی نمونہ پیش کیا ہے۔

---

[7] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۱۵۶

[8] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۶۷

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

عطار نے تذکرۃ الاولیاء کے آغاز میں ہی کتاب کے اخلاقی مقصد کو واضح کر دیا ہے:

«من این کتاب را از برای آن جمع کردم که هر که در آن بنگرد، از احوال اولیاء عبرت گیرد و خود را به اخلاق ایشان بیاراید و از صفات ناپسندیده بپرهیزد»[9]

ترجمہ: "میں نے یہ کتاب اس لیے جمع کی ہے کہ جو کوئی اسے دیکھے، وہ اولیاء کے حالات سے سبق حاصل کرے اور اپنے آپ کو ان کے اخلاق سے آراستہ کرے اور ناپسندیدہ صفات سے بچے۔"

عطار نے تذکرۃ الاولیاء کے اخلاقی مقصد کو بڑے واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ کتاب محض معلومات فراہم کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ قاری کو اخلاقی طور پر تبدیل کرنے کے لیے ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ قاری اولیاء کے حالات سے "عبرت" حاصل کرے، یعنی ان سے سبق لے کر اپنی زندگی میں تبدیلی لائے۔ وہ چاہتے ہیں کہ قاری اپنے آپ کو "اخلاق ایشان" (اولیاء کے اخلاق) سے آراستہ کرے اور "صفات ناپسندیدہ" (بری صفات) سے بچے۔ یہ عطار کے ہاں اخلاقی تربیت کا مکمل پروگرام ہے: پہلے عبرت، پھر تزئین، پھر پرہیز۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کوئی معلوماتی کتاب نہیں بلکہ ایک عملی رہنما کتاب ہے۔

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں حسن بصری کے حوالے سے اخلاقی مقصد کو یوں بیان کیا ہے:

«حسن بصری را گفتند: اخلاق مؤمن چیست؟ گفت: او بردبار است در سختی و شکرگزار است در آسانی و قانع است به آنچه خدا داده است»[10]

ترجمہ: "حسن بصری سے پوچھا گیا: مؤمن کے اخلاق کیا ہیں؟ انہوں نے کہا: وہ سختی میں بردبار ہے، آسانی میں شکر گزار ہے، اور جو کچھ خدا نے دیا ہے اس پر قانع ہے۔"

تذکرۃ الاولیاء میں حسن بصری کے اس قول نے اخلاقی تربیت کے تین بنیادی اصول پیش کیے ہیں: (۱) "صبر" - سختی میں بردباری، (۲) "شکر" - آسانی میں شکر گزاری، اور (۳) "قناعت" - جو کچھ خدا نے دیا ہے اس پر راضی رہنا۔ یہ تینوں خوبیاں نبوی اخلاق کا حصہ ہیں اور ان کے بغیر کوئی شخص حقیقی مؤمن نہیں ہو سکتا۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق حقیقی مؤمن کی پہچان صبر، شکر، اور قناعت ہے۔

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں فضیل بن عیاض کے حوالے سے اخلاقی مقصد کو یوں بیان کیا ہے:

«فضیل بن عیاض را گفتند: بهترین اعمال چیست؟ گفت: اخلاص. گفتند: چگونه به اخلاص رسم؟ گفت: آنکه ترک کنی آنچه را که خدا از تو نخواسته است»[11]

ترجمہ: "فضیل بن عیاض سے پوچھا گیا: سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ انہوں نے کہا: اخلاص۔ کہا گیا: اخلاص کیسے حاصل کروں؟ کہا: وہ چھوڑ دو جو خدا نے تم سے نہیں مانگا۔"

تذکرۃ الاولیاء میں فضیل بن عیاض نے اخلاقی تربیت کا سب سے اہم اصول "اخلاص" کو قرار دیا ہے۔ اخلاص کا مطلب ہے ہر عمل کو صرف اللہ کی رضا کے لیے کرنا، بغیر کسی ریا اور دکھاوے کے۔ فضیل کے مطابق اخلاص حاصل کرنے کا سب سے بڑا طریقہ یہ ہے کہ انسان وہ کام چھوڑ دے جو اللہ نے اس سے نہیں مانگے۔ یعنی وہ صرف فرائض پر اکتفا کرے اور نفلی عبادات کو بھی اخلاص کے ساتھ کرے۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق سب سے بہتر عمل وہ ہے جو اخلاص کے ساتھ کیا جائے۔

---

[9] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۵

[10] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۳۴

[11] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۹۸

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

مبحث دوم: رمزی اسلوب کی معنویت

تذکرۃ الاولیاء میں رمزی اسلوب کو بڑے گہرے اور مؤثر انداز میں استعمال کیا گیا ہے۔ عطار نے اولیاء کے اقوال اور کرامات کو رمزی زبان میں پیش کیا ہے، جس سے ان کے کئی معنی نکلتے ہیں۔ اس مبحث میں ہم رمز کی تعریف، باطنی معانی، اخلاقی اشارات، اور فکری گہرائی کا تفصیلی جائزہ لیں گے۔

ا۔ رمز کی تعریف

تذکرۃ الاولیاء میں عطار نے رمز کو ایک خاص اسلوب کے طور پر استعمال کیا ہے۔ رمز کا مطلب ہے کسی بات کو اشارے، کنایے، اور علامتوں کے ذریعے بیان کرنا تاکہ صرف اہلِ دل ہی اسے سمجھ سکیں۔ عطار نے اولیاء کے ان اقوال کو جمع کیا ہے جن میں رمز کا عنصر پایا جاتا ہے۔

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں جنید بغدادی کے حوالے سے رمز کی تعریف یوں بیان کی ہے:

«جنید را گفتند: رمز چیست؟ گفت: سخنی است که خواص آن را فهمند و عوام از آن بی‌خبر مانند. رمز، زبان اهل دل است نه زبان اهل قال»[12]

ترجمہ: "جنید سے پوچھا گیا: رمز کیا ہے؟ انہوں نے کہا: وہ بات ہے جسے خاص لوگ سمجھتے ہیں اور عام لوگ اس سے بے خبر رہتے ہیں۔ رمز، اہلِ دل کی زبان ہے نہ کہ اہلِ قال کی زبان۔"

جنید بغدادی نے رمز کی جو تعریف پیش کی ہے، وہ تذکرۃ الاولیاء کے رمزی اسلوب کی بنیاد ہے۔ ان کے مطابق رمز وہ زبان ہے جو صرف "اہلِ دل" (وہ لوگ جن کے دل بیدار ہیں) سمجھ سکتے ہیں، جبکہ "اہلِ قال" (وہ لوگ جو صرف ظاہری الفاظ پر اکتفا کرتے ہیں) اس سے محروم رہ جاتے ہیں۔ عطار نے اسی اصول کو اپنایا ہے۔ انہوں نے اولیاء کے اقوال کو رمزی زبان میں پیش کیا ہے تاکہ صرف وہی لوگ ان سے فیض حاصل کر سکیں جو واقعی طالبِ حق ہیں۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا رمزی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کو پڑھنے کے لیے صرف آنکھیں نہیں بلکہ دل کی آنکھ بھی چاہیے۔

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں بایزید بسطامی کے حوالے سے رمز کے بارے میں لکھا ہے:

«بایزید را گفتند: تو چگونه به این مقام رسیدی؟ گفت: با رمز. گفتند: رمز چیست؟ گفت: آنکه خدا را بی‌چون دانم و نفس را بی‌چون وادارم»[13]

ترجمہ: "بایزید سے پوچھا گیا: تم اس مقام تک کیسے پہنچے؟ انہوں نے کہا: رمز کے ذریعے۔ کہا گیا: رمز کیا ہے؟ کہا: یہ کہ میں خدا کو بے مانند جانتا ہوں اور نفس کو بے مانند چھوڑ دیتا ہوں۔"

بایزید بسطامی نے رمز کی ایک اور تعریف پیش کی ہے۔ ان کے مطابق رمز کا مطلب ہے خدا کو اس کی بے مثالی کے ساتھ پہچاننا اور نفس کو اس کی تمام خواہشات کے ساتھ چھوڑ دینا۔ یہ ایک بہت گہرا رمزی بیان ہے۔ "خدا را بی چون دانم" کا مطلب ہے کہ میں خدا کو اس کی ذات اور صفات میں کسی کے ساتھ تشبیہ نہیں دیتا، وہ یکتا اور بے مثال ہے۔ "نفس را بی چون وادارم" کا مطلب ہے کہ میں نفس کو اس کی تمام خواہشات کے ساتھ آزاد چھوڑ دیتا ہوں، یعنی میں نفس کی خواہشات کی کوئی پرواہ نہیں کرتا، انہیں ویسے ہی چھوڑ دیتا ہوں جیسے وہ ہیں۔ یہ دونوں چیزیں رمز ہیں، کیونکہ انہیں ظاہری الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا رمزی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق رمز کا تعلق خدا شناسی اور نفس شناسی دونوں سے ہے۔

---

[12] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۲۳۴

[13] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۱۶۷

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں حلاج کے حوالے سے رمز کے بارے میں لکھا ہے:

«حلاج را گفتند: چرا رمز گویی؟ گفت: از آنکه نتوانم گفت. گفتند: چرا نتوانی گفت؟ گفت: از آنکه سخن را دلی است و آن دل را رمزی است و آن رمز را سری است و آن سر را راهی است که جز خدا کس نداند»[14]

ترجمہ: "حلاج سے پوچھا گیا: تم کیوں رمز بولتے ہو؟ انہوں نے کہا: اس لیے کہ میں (صاف) نہیں کہہ سکتا۔ کہا گیا: کیوں نہیں کہہ سکتے؟ کہا: اس لیے کہ بات کا ایک دل ہے، اس دل کا ایک رمز ہے، اس رمز کا ایک راز ہے، اور اس راز کی ایک راہ ہے جسے خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

حلاج نے رمز کی ضرورت کو بڑے گہرے انداز میں بیان کیا ہے۔ ان کے مطابق حقیقت کو براہِ راست بیان نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اس کی کئی تہیں ہیں۔ پہلی تہ "دل" ہے، پھر "رمز"، پھر "سر"، اور آخر میں "راہ" جو صرف خدا جانتا ہے۔ اس لیے رمز بولنا ضروری ہے، کیونکہ یہ ان تہوں کو عبور کرنے کا واحد راستہ ہے۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا رمزی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق رمز کا تعلق حقیقت کی تہوں سے ہے اور یہ ان تہوں کو عبور کرنے کا ذریعہ ہے۔

۲۔ باطنی معانی

تذکرۃ الاولیاء میں رمزی اسلوب کا سب سے بڑا مقصد باطنی معانی کو ظاہر کرنا ہے۔ عطار نے اولیاء کے ظاہری اقوال کے پیچھے چھپے باطنی معانی کو بڑے گہرے انداز میں پیش کیا ہے۔

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں ابراہیم بن ادھم کے حوالے سے باطنی معانی کو یوں بیان کیا ہے:

«ابراهیم بن ادهم را گفتند: چرا از ملک بازنشستی؟ گفت: روزی بر تخت نشسته بودم، آئینه‌ای پیش من داشتند. در آن آئینه نگاه کردم، راه آخرت در آن دیدم. پس ملک را رها کردم و به راه خدا رفتم»[15]

ترجمہ: "ابراہیم بن ادھم سے پوچھا گیا: تم نے بادشاہت کیوں چھوڑ دی؟ انہوں نے کہا: ایک دن میں تخت پر بیٹھا ہوا تھا، میرے سامنے ایک آئینہ رکھا تھا۔ میں نے اس آئینے میں دیکھا تو اس میں آخرت کا راستہ دیکھا۔ پس میں نے بادشاہت چھوڑ دی اور اللہ کی راہ پر چلا گیا۔"

ابراہیم بن ادھم کے اس قول کے ظاہری اور باطنی دونوں معانی ہیں۔ ظاہری معنی یہ ہے کہ انہوں نے آئینے میں آخرت کا راستہ دیکھا اور بادشاہت چھوڑ دی۔ لیکن باطنی معنی یہ ہے کہ "آئینہ" دراصل "دل" کی علامت ہے، اور "آخرت کا راستہ" دراصل "خدا کی معرفت" کا استعارہ ہے۔ ابراہیم بن ادھم نے جب اپنے دل میں جھانک کر دیکھا تو انہیں خدا کی معرفت کا نور نظر آیا، اور اسی نے انہیں دنیا کی بادشاہت چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ یہ رمزی اسلوب کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا باطنی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق آئینہ دراصل دل کا استعارہ ہے اور اس میں دیکھنے کا مطلب دل کی پاکیزگی ہے۔

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں رابعہ بصری کے حوالے سے باطنی معانی کو یوں بیان کیا ہے:

«رابعه را گفتند: از کجا می‌آیی؟ گفت: از آن جهان. گفتند: چه می‌آوری؟ گفت: آتش و آب. گفتند: آتش و آب چه؟ گفت: آتش دوستی دنیا و آب توبه. توبه آب است و آتش، آتش»[16]

ترجمہ: "رابعہ سے پوچھا گیا: تم کہاں سے آ رہی ہو؟ انہوں نے کہا: اس جہان سے (دنیا سے)۔ کہا گیا: کیا لے کر آ رہی ہو؟ کہا: آگ اور پانی۔ کہا گیا: آگ اور پانی سے کیا مراد ہے؟ کہا: آگ دنیا کی محبت ہے اور پانی توبہ ہے۔ توبہ پانی ہے اور (دنیا کی محبت) آگ ہے۔"

رابعہ بصری کے اس قول میں "آگ" اور "پانی" کے رمزی معانی ہیں۔ ظاہری معنی میں وہ آگ اور پانی لے کر آ رہی ہیں، لیکن باطنی معنی میں "آگ" سے مراد "دنیا کی محبت" ہے اور "پانی" سے مراد "توبہ" ہے۔ رابعہ کہنا چاہ رہی ہیں کہ وہ دنیا سے آ رہی ہیں، اور وہ اپنے ساتھ دو چیزیں لے کر آ رہی ہیں: ایک "دنیا کی محبت" جو آگ کی

---

[14] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۵۶۷

[15] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۱۲۳

[16] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۷۸

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

طرح جلانے والی ہے، اور دوسری "توبہ" جو پانی کی طرح بجھانے والی ہے۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا باطنی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق دنیا کی محبت آگ ہے اور توبہ پانی ہے، اور توبہ ہی اس آگ کو بجھا سکتی ہے۔

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں بایزید بسطامی کے حوالے سے باطنی معانی کو یوں بیان کیا ہے:

«بایزید را گفتند: به چه چیز به این مقام رسیدی؟ گفت: به درویشی و گرسنگی و شب‌زنده‌داری. گفتند: اینها همه از بندگان ساخته است. گفت: آری، اما رمز آن را کسی نداند»[17]

ترجمہ: "بایزید سے پوچھا گیا: تم اس مقام تک کیسے پہنچے؟ انہوں نے کہا: درویشی، بھوک، اور رات کو جاگنے سے۔ کہا گیا: یہ تو سب بندوں سے ہو سکتا ہے۔ بایزید نے کہا: ہاں، لیکن اس کا رمز کوئی نہیں جانتا۔"

بایزید بسطامی نے اس قول میں ایک بہت گہرا باطنی نکتہ بیان کیا ہے۔ ظاہر میں درویشی، بھوک، اور رات کو جاگنا وہ اعمال ہیں جو کوئی بھی کر سکتا ہے۔ لیکن ان اعمال کا "رمز" (باطنی حقیقت) صرف وہی جانتا ہے جو انہیں صحیح نیت اور اخلاص کے ساتھ کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک شخص کا یہی عمل اسے اللہ کے قریب کر دیتا ہے، جبکہ دوسرے کا وہی عمل کوئی اثر نہیں ڈالتا۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا باطنی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق اعمال کی باطنی حقیقت (رمز) ظاہری عمل سے زیادہ اہم ہے۔

۳۔ اخلاقی اشارات

تذکرۃ الاولیاء میں رمزی اسلوب کے ذریعے اخلاقی اشارات بھی دیے گئے ہیں۔ عطار نے اولیاء کے اقوال اور کرامات کے ذریعے اخلاقی خوبیوں اور برائیوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں شقیق بلخی کے حوالے سے اخلاقی اشارات کو یوں بیان کیا ہے:

«شقیق بلخی را گفتند: کدام عبادت بهتر است؟ گفت: ترک گناه. گفتند: کدام گناه بهتر است؟ گفت: گمان بردن. گفتند: گمان بردن از چه؟ گفت: از خلق»[18]

ترجمہ: "شقیق بلخی سے پوچھا گیا: کون سی عبادت بہتر ہے؟ انہوں نے کہا: گناہ چھوڑنا۔ کہا گیا: کون سا گناہ (سب سے) بہتر ہے؟ کہا: گمان کرنا۔ کہا گیا: کس کے بارے میں گمان کرنا؟ کہا: لوگوں کے بارے میں۔"

شقیق بلخی کے اس قول میں ایک بہت گہرا اخلاقی اشارہ ہے۔ ظاہر میں "ترک گناہ" کو بہترین عبادت قرار دیا گیا ہے، لیکن پھر پوچھا جاتا ہے کہ "کدام گناہ بهتر است" (کون سا گنہ بہتر ہے)- یہ ایک رمزی سوال ہے، کیونکہ گناہ کوئی بھی "بہتر" نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ "گمان بردن" (بدگمانی) سب سے بہتر گناہ ہے -یعنی یہ سب سے چھوٹا گناہ ہے، یا یہ کہ یہ دوسرے گناہوں کی جڑ ہے۔ اور پھر واضح کیا کہ یہ گمان "از خلق" (لوگوں کے بارے میں) ہے، یعنی بدگمانی کا تعلق دوسروں سے ہے۔ یہ ایک اہم اخلاقی اشارہ ہے کہ بدگمانی سے بچنا چاہیے، کیونکہ یہ دوسرے گناہوں کو جنم دیتی ہے۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق بدگمانی ایک خطرناک گناہ ہے اور اس سے بچنا چاہیے۔

---

[17] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص۱۷۸

[18] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص۸۹

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں سہل بن عبداللہ تستری کے حوالے سے اخلاقی اشارات کو یوں بیان کیا ہے:

«سهل بن عبدالله تستری را گفتند: کلید خیر چیست؟ گفت: زهد. گفتند: کلید شر چیست؟ گفت: حرص. گفتند: کلید بهشت چیست؟ گفت: صبر»[19]

ترجمہ: "سہل بن عبداللہ تستری سے پوچھا گیا: خیر کی کنجی کیا ہے؟ انہوں نے کہا: زہد۔ کہا گیا: شر کی کنجی کیا ہے؟ کہا: حرص۔ کہا گیا: جنت کی کنجی کیا ہے؟ کہا: صبر۔"

سہل بن عبداللہ تستری نے اس قول میں اخلاقی خوبیوں اور برائیوں کی طرف بڑے واضح اشارات دیے ہیں۔ "زھد" (دنیا سے بے رغبتی) کو خیر کی کنجی قرار دیا گیا ہے، کیونکہ زہد انسان کو دنیا کی محبت سے آزاد کر کے آخرت کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ "حرص" (لالچ) کو شر کی کنجی قرار دیا گیا ہے، کیونکہ حرص ہی وہ اصل برائی ہے جو دوسری تمام برائیوں کو جنم دیتی ہے۔ اور "صبر" کو جنت کی کنجی قرار دیا گیا ہے، کیونکہ صبر کے بغیر کوئی شخص جنت کا مستحق نہیں بن سکتا۔ یہ تینوں اشارے اخلاقی تربیت کے لیے بنیادی اصول ہیں۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق زہد، حرص سے بچنا، اور صبر اخلاقی زندگی کی بنیاد ہیں۔

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں ذوالنون مصری کے حوالے سے اخلاقی اشارات کو یوں بیان کیا ہے:

«ذوالنون مصری را گفتند: چگونه به خدا رسم؟ گفت: با راستی. گفتند: با راستی چگونه؟ گفت: آنکه راست باشی با خدا در نهان، چنانکه با خلق در عیان»[20]

ترجمہ: "ذوالنون مصری سے پوچھا گیا: میں خدا تک کیسے پہنچوں؟ انہوں نے کہا: سچائی کے ساتھ۔ کہا گیا: سچائی کے ساتھ کیسے؟ کہا: یہ کہ تو اللہ کے ساتھ پوشیدہ میں بھی اتنا ہی سچا ہو، جتنا تو لوگوں کے ساتھ ظاہر میں ہے۔"

ذوالنون مصری نے اس قول میں ایک بہت گہرا اخلاقی اشارہ دیا ہے۔ "راستی" (سچائی) کو خدا تک پہنچنے کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ لیکن یہ سچائی صرف ظاہر میں نہیں بلکہ باطن میں بھی ہونی چاہیے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ کے ساتھ "در نهان" (پوشیدہ میں) بھی اتنا ہی سچا ہو جتنا وہ لوگوں کے ساتھ "در عیان" (ظاہر میں) ہے۔ یعنی اس کی نیت، اس کے خیالات، اور اس کے ارادے بھی اتنے ہی صاف ہوں جتنے اس کے ظاہری اعمال ہیں۔ یہ اخلاص کی اعلیٰ ترین شکل ہے۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق حقیقی سچائی وہ ہے جو ظاہر اور باطن دونوں میں یکساں ہو۔

۴۔ فکری گہرائی

تذکرۃ الاولیاء میں رمزی اسلوب نے فکری گہرائی کو بھی بہت بڑھایا ہے۔ عطار نے اولیاء کے اقوال کو رمزی زبان میں پیش کر کے ان کے کئی فکری پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں جنید بغدادی کے حوالے سے فکری گہرائی کو یوں بیان کیا ہے:

«جنید را گفتند: توحید چیست؟ گفت: آنکه بدانی که هر چه در جهان است، از اوست و به اوست و در اوست. اما این را رمز است و شرح آن نتوان داد»[21]

ترجمہ: "جنید سے پوچھا گیا: توحید کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ کہ تو جان لے کہ جو کچھ جہان میں ہے، وہ اس سے ہے، اس کے لیے ہے، اور اس میں ہے۔ لیکن یہ ایک رمز ہے اور اس کی شرح نہیں دی جا سکتی۔"

---

[19] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۱۴۵

[20] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۱۹۸

[21] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۲۴۵

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

جنید بغدادی نے توحید کی تعریف بڑے گہرے فکری انداز میں کی ہے۔ ان کے مطابق توحید کا مطلب ہے یہ جاننا کہ "ھرچہ در جھان است" (جو کچھ جہان میں ہے) "از اوست" (اس سے ہے)-یعنی اس کا خالق اللہ ہے، "بہ اوست" (اس کے لیے ہے)-یعنی سب کچھ اسی کی طرف لوٹتا ہے، اور "در اوست" (اس میں ہے)-یعنی سب کچھ اسی کے وجود میں ہے۔ یہ وحدت الوجود کے تصور کی ایک بہت گہری فکری تعبیر ہے۔ لیکن جنید نے فوراً کہہ دیا کہ "این را رمز است و شرح آن نتوان داد" (یہ ایک رمز ہے اور اس کی شرح نہیں دی جاسکتی)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ توحید کی یہ حقیقت الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی، اسے صرف دل کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا فکری اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق توحید کی حقیقت اتنی گہری ہے کہ اسے صرف رمز کے ذریعے ہی سمجھا جا سکتا ہے۔

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں بایزید بسطامی کے حوالے سے فکری گہرائی کو یوں بیان کیا ہے:

«بایزید را گفتند: عارف کیست؟ گفت: آنکه به یک جو دنیا التفات نکند و به یک جو آخرت نیز. گفتند: چرا؟ گفت: از آنکه هر دو، آفریدهٔ خدایند و عارف را با آفریده کار نیست، با آفریدگار کار است»[22]

ترجمہ: "بایزید سے پوچھا گیا: عارف کون ہے؟ انہوں نے کہا: وہ جو ایک جو دنیا کی طرف بھی توجہ نہ کرے اور نہ ایک جو آخرت کی طرف۔ کہا گیا: کیوں؟ کہا: اس لیے کہ یہ دونوں اللہ کی مخلوق ہیں اور عارف کو مخلوق سے کوئی سروکار نہیں، اسے خالق سے سروکار ہے۔"

بایزید بسطامی نے عارف کی تعریف میں ایک بہت گہری فکری بات کہی ہے۔ عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ عارف وہ ہے جو دنیا چھوڑ کر آخرت کی طرف متوجہ ہو جائے۔ لیکن بایزید اس سے بھی آگے بڑھ گئے۔ ان کے مطابق عارف نہ تو دنیا کی طرف توجہ کرتا ہے اور نہ آخرت کی طرف، کیونکہ یہ دونوں "آفریدۂ خدا" (اللہ کی مخلوق) ہیں۔ عارف کا تعلق صرف "آفریدگار" (خالق) سے ہے۔ یہ ایک بہت بلند فکری مقام ہے جہاں انسان دنیا اور آخرت دونوں سے بالاتر ہو کر صرف اللہ کو پکارتا ہے۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا فکری اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق حقیقی عارف وہ ہے جو مخلوق سے گزر کر خالق تک پہنچ جائے۔

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں ابوسعید ابی الخیر کے حوالے سے فکری گہرائی کو یوں بیان کیا ہے:

«ابوسعید را گفتند: مقام توحید چیست؟ گفت: آنکه چهل روز بنده را از خود و از خلق و از دنیا و عقبی بازداری، تا آنکه هیچ نماند جز حق. آنگاه حق گوید: منم، هر که جز من است، نیست»[23]

ترجمہ: "ابوسعید ابی الخیر سے پوچھا گیا: توحید کا مقام کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ کہ تو چالیس دن بندے کو اپنے آپ سے، لوگوں سے، دنیا سے، اور آخرت سے روکے رکھے، یہاں تک کہ حق کے سوا کچھ نہ رہے۔ پھر حق کہتا ہے: میں ہوں، جو کچھ میرے سوا ہے، وہ نہیں ہے۔"

ابوسعید ابی الخیر نے توحید کے مقام کی تعریف میں ایک بہت گہری فکری بات کہی ہے۔ ان کے مطابق توحید کا مقام وہ ہے جہاں انسان "از خود" (اپنے آپ سے)، "از خلق" (لوگوں سے)، "از دنیا" (دنیا سے)، اور "از عقبی" (آخرت سے)-یعنی ہر چیز سے منقطع ہو جائے، یہاں تک کہ "ھیچ نماند جز حق" (حق کے سوا کچھ نہ بچے)۔ پھر حق خود کہتا ہے: "منم، ھر کہ جز من است، نیست" (میں ہوں، جو کچھ میرے سوا ہے، وہ نہیں ہے)۔ یہ "فنا" اور "بقا" کا وہ تصور ہے جو صوفیانہ فکر کا مرکز ہے۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا فکری اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق توحید کا مقام وہ ہے جہاں انسان ہر چیز سے فنا ہو کر صرف حق میں باقی رہ جائے۔

مبحث سوم: حکایات میں اخلاقی تعلیمات

تذکرۃ الاولیاء کی حکایات میں اخلاقی تعلیمات کو بڑے خوبصورت اور مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ عطار نے اولیاء اللہ کے واقعات اور اقوال کے ذریعے اخلاقی خوبیوں جیسے صبر و رضا، توکل، اور سادگی کو فروغ دیا ہے۔ اس مبحث میں ہم ان حکایات کا تفصیلی جائزہ لیں گے۔

---

[22] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۱۸۹

[23] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۳۱۲

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

۱۔ اولیاء کے واقعات

تذکرۃ الاولیاء میں اولیاء اللہ کے واقعات کو اخلاقی تعلیمات کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ عطار نے ہر صوفی کے حالات کو اس طرح پیش کیا ہے کہ قاری کو اس سے سبق حاصل ہو۔

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں ابراہیم بن ادھم کے واقعے کو یوں بیان کیا ہے:

«ابراهیم بن ادهم، پادشاه بلخ بود. شبی بر تخت خفته بود، ناگاه صدایی شنید که می‌گفت: تو را برای این نیافریده‌اند. از تخت فرو افتاد و به بیابان رفت. پس از چهل سال، او را دیدند که سبزه می‌خورد و در غار می‌زیست. گفتند: چه شد؟ گفت: خواستم بدانم آیا کسی هست که از من به خدا نزدیکتر باشد»[24]

ترجمہ: "ابراہیم بن ادھم بلخ کا بادشاہ تھا۔ ایک رات وہ تخت پر سویا ہوا تھا کہ اچانک اسے ایک آواز سنائی دی جو کہہ رہی تھی: تجھے اس کے لیے نہیں بنایا گیا۔ وہ تخت سے گر گیا اور بیابان کی طرف نکل گیا۔ چالیس سال کے بعد اسے دیکھا گیا کہ وہ سبزہ کھا رہا تھا اور غار میں رہ رہا تھا۔ لوگوں نے کہا: کیا ہوا؟ اس نے کہا: میں جاننا چاہتا تھا کہ کیا کوئی ایسا ہے جو مجھ سے خدا کے زیادہ قریب ہو۔"

ابراہیم بن ادھم کا یہ واقعہ اخلاقی تربیت کے لیے ایک بہترین مثال ہے۔ ایک بادشاہ جس کے پاس دنیا کی ساری نعمتیں تھیں، اس نے ایک آواز سن کر سب کچھ چھوڑ دیا اور چالیس سال تک بیابان میں غار میں رہ کر سبزہ کھایا۔ اس کی خواہش یہ تھی کہ وہ جاننا چاہتا تھا کہ کیا کوئی ایسا ہے جو اس سے خدا کے زیادہ قریب ہو؟ یہ زہد اور تواضع کی انتہا ہے۔ ابراہیم بن ادھم نے اپنی بادشاہت پر کبھی ناز نہیں کیا، بلکہ وہ ہمیشہ یہ سوچتے رہے کہ شاید کوئی ان سے بہتر ہے۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق حقیقی زہد کا تعلق دولت سے محرومی سے نہیں بلکہ دل کی وابستگی سے ہے۔

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں رابعہ بصری کے واقعے کو یوں بیان کیا ہے:

«رابعه را گفتند: چه می‌خواهی؟ گفت: می‌خواهم که خدا را آنچنان که سزاوار است، عبادت کنم. گفتند: چگونه توانی؟ گفت: اگر همه دریاها مرکب بودی و همه کوه‌ها قلم و همه درختان مداد و همه ملکان کاتب، نتوانستندی صفت جلال او بنویسند. من می‌خواهم که یک ذره از کبریای او را بشناسم»[25]

ترجمہ: "رابعہ سے کہا گیا: تم کیا چاہتی ہو؟ انہوں نے کہا: میں چاہتی ہوں کہ میں اللہ کی ایسی عبادت کروں جیسی اس کے لائق ہے۔ کہا گیا: تم کیسے کر سکتی ہو؟ انہوں نے کہا: اگر تمام سمندر روشنائی ہوں، تمام پہاڑ قلم ہوں، تمام درخت قلم ہوں، اور تمام فرشتے کاتب ہوں، تب بھی وہ اس کے جلال کی صفت نہیں لکھ سکتے۔ میں چاہتی ہوں کہ میں اس کے جبروت کا ایک ذرہ پہچان لوں۔"

رابعہ بصری کا یہ واقعہ عاجزی اور انکساری کی ایک بہترین مثال ہے۔ وہ اللہ کی عبادت کو اس کے لائق بنانا چاہتی تھیں، لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ یہ ممکن نہیں۔ ان کے الفاظ میں "تمام سمندر روشنائی ہوں، تمام پہاڑ قلم ہوں، تمام درخت قلم ہوں، اور تمام فرشتے کاتب ہوں" ایک بہت بڑا استعارہ ہے جو اللہ کی عظمت اور انسان کی کمزوری کو ظاہر کرتا ہے۔ رابعہ کی خواہش صرف یہ تھی کہ وہ اللہ کے جبروت کا ایک ذرہ پہچان لے۔ یہ تواضع کی انتہا ہے۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق حقیقی عاجزی یہ ہے کہ انسان اپنی کمزوری کو پہچانے۔

۲۔ صبر و رضا

تذکرۃ الاولیاء میں صبر و رضا کو ایک بہت بڑی اخلاقی خوبی کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ عطار نے اولیاء کے واقعات کے ذریعے یہ ثابت کیا ہے کہ صبر اور رضا کے بغیر کوئی شخص حقیقی معنوں میں اللہ کا ولی نہیں بن سکتا۔

---

[24] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۱۱۲

[25] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۷۲

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں فضیل بن عیاض کے حوالے سے صبر کو یوں بیان کیا ہے:

«فضیل بن عیاض را گفتند: صبر چیست؟ گفت: آنکه شکایت نکنی. گفتند: از چه؟ گفت: از هیچ چیز. گفتند: چگونه؟ گفت: آنکه بدانی که هر چه می‌آید، از اوست و به مصلحت توست. پس چرا شکایت کنی؟»[26]

ترجمہ: "فضیل بن عیاض سے پوچھا گیا: صبر کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ کہ تم شکایت نہ کرو۔ کہا گیا: کس چیز کی؟ کہا: کسی چیز کی بھی نہیں۔ کہا گیا: کیسے ممکن ہے؟ کہا: یہ کہ تم جان لو کہ جو کچھ بھی آتا ہے، وہ اللہ کی طرف سے ہے اور تمہاری مصلحت میں ہے۔ پھر تم شکایت کیوں کرو گے؟"

فضیل بن عیاض نے صبر کی ایک بہت گہری تعریف پیش کی ہے۔ ان کے مطابق صبر کا مطلب ہے "شکایت نہ کرنا" – نہ اللہ سے، نہ لوگوں سے، نہ حالات سے۔ صبر کرنے والا شخص یقین رکھتا ہے کہ "ھرچہ می آید، از اوست" (جو کچھ بھی آتا ہے، وہ اللہ کی طرف سے ہے) اور "بہ مصلحت توست" (تمہاری مصلحت میں ہے)۔ اس یقین کے بعد کوئی شکایت باقی نہیں رہ جاتی۔ یہ صبر کی اعلیٰ ترین شکل ہے، جسے "رضا" بھی کہا جاتا ہے۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق حقیقی صبر کا تعلق شکایت نہ کرنے سے ہے، اور یہ تبھی ممکن ہے جب انسان کو یقین ہو کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے اور اس کی مصلحت میں ہے۔

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں رابعہ بصری کے حوالے سے رضا کو یوں بیان کیا ہے:

«رابعه را گفتند: رضا چیست؟ گفت: آنکه ترک اعتراض کنی بر قضای خدا. گفتند: چگونه؟ گفت: آنکه هر چه از او آید، خوش آیدت و ناخوش نیایدت. و اگر ناخوش آیدت، تو ناراضی باشی و ناراضی را با خدا راه نیست»[27]

ترجمہ: "رابعہ سے پوچھا گیا: رضا کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ کہ تم اللہ کی قضا پر اعتراض کرنا چھوڑ دو۔ کہا گیا: کیسے؟ کہا: یہ کہ جو کچھ اس کی طرف سے آئے، وہ تمہیں اچھا لگے اور برا نہ لگے۔ اور اگر تمہیں برا لگے گا تو تم ناراضی ہو گے، اور ناراضی کا اللہ سے کوئی راستہ نہیں۔"

رابعہ بصری نے رضا کی تعریف "ترک اعتراض بر قضای خدا" (اللہ کی قضا پر اعتراض چھوڑنا) کے طور پر کی ہے۔ ان کے مطابق رضا کا مطلب ہے کہ انسان کو جو کچھ بھی اللہ کی طرف سے آئے، وہ اسے "خوش آید" (اچھا لگے) اور "ناخوش نیاید" (برا نہ لگے)۔ اگر اسے کوئی چیز بری لگتی ہے تو وہ دراصل اللہ کی قضا پر اعتراض کر رہا ہے، اور "ناراضی را با خدا راه نیست" (ناراضی کا اللہ سے کوئی راستہ نہیں)۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق رضا کا مطلب ہے ہر حالت میں اللہ کی مرضی پر راضی رہنا۔

۳۔ توکل

تذکرۃ الاولیاء میں توکل کو ایک اہم اخلاقی خوبی کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ عطار نے اولیاء کے واقعات کے ذریعے یہ ثابت کیا ہے کہ توکل کا مطلب ہے اللہ پر مکمل بھروسہ کرنا، لیکن ساتھ ہی اسباب کو اپنانے سے منع نہیں کرنا۔

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں بایزید بسطامی کے حوالے سے توکل کو یوں بیان کیا ہے:

«بایزید را گفتند: توکل چیست؟ گفت: آنکه ترک کنی هر چه را که غیر خداست و بستگی به چیزی نداری. گفتند: چگونه؟ گفت: آنکه بدانی که هیچ چیز بی‌او به تو نرسد و هیچ چیز با او از تو نرود»[28]

ترجمہ: "بایزید سے پوچھا گیا: توکل کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ کہ تم وہ سب کچھ چھوڑ دو جو خدا کے سوا ہے، اور کسی چیز سے بندھے نہ رہو۔ کہا گیا: کیسے؟ کہا: یہ کہ تم جان لو کہ اس کے بغیر کوئی چیز تم تک نہیں پہنچ سکتی، اور اس کے ساتھ کوئی چیز تم سے نہیں جا سکتی۔"

---

[26] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۱۰۵

[27] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۸۳

[28] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۱۹۵

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

بایزید بسطامی نے توکل کی تعریف "ترک کنی ھرچہ راسہ غیر خداست" (جو کچھ خدا کے سوا ہے، اسے چھوڑ دو) کے طور پر کی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان دنیا کو مکمل طور پر چھوڑ دے، بلکہ اس کا مطلب ہے کہ وہ دل سے دنیا کے تعلق کو چھوڑ دے۔ توکل کا دوسرا اصول یہ ہے کہ انسان "بستگی بہ چیزی نداری" (کسی چیز سے بندھانہ رہے)۔ اور اس کی بنیاد یہ یقین ہے کہ "ھیچ چیز بی او بہ تو نرسد" (اس کے بغیر کوئی چیز تم تک نہیں پہنچ سکتی) اور "ھیچ چیز با او از تو نرود" (اس کے ساتھ کوئی چیز تم سے نہیں جا سکتی)۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق توکل کا مطلب یقین ہے کہ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں ابوسعید ابی الخیر کے حوالے سے توکل کو یوں بیان کیا ہے:

«ابوسعید را گفتند: ما می‌خواهیم که توکل کنیم. گفت: توکل آن نیست که دست بر سینه نهی و منتظر باشی. توکل آن است که کار خود کنی و دل به خدا دهی. پیغمبر علیه السلام نیز شتر می‌بست و توکل می‌کرد»[29]

ترجمہ: "ابوسعید سے کہا گیا: ہم توکل کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا: توکل یہ نہیں کہ تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہو اور انتظار کرو۔ توکل یہ ہے کہ تم اپنا کام کرو اور دل کو اللہ سے لگائے رکھو۔ پیغمبر علیہ السلام بھی اونٹ باندھتے تھے اور توکل بھی کرتے تھے۔"

ابوسعید ابی الخیر نے توکل کی ایک بہت اہم اور متوازن تعریف پیش کی ہے۔ ان کے مطابق توکل کا مطلب یہ نہیں کہ "دست بر سینہ نھی و منتظر باشی" (ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہو اور انتظار کرو)۔ بلکہ توکل کا مطلب ہے کہ "کار خود کنی و دل بہ خدا دھی" (اپنا کام کرو اور دل کو اللہ سے لگائے رکھو)۔ انہوں نے اس کی دلیل میں یہ پیش کیا کہ "پیغمبر علیہ السلام نیز شتر می بست و توکل می کرد" (پیغمبر علیہ السلام بھی اونٹ باندھتے تھے اور توکل بھی کرتے تھے)۔ یہ ایک بہت اہم نکتہ ہے کہ توکل کا مطلب اسباب کو ترک کرنا نہیں بلکہ اسباب کو اپناتے ہوئے اللہ پر بھروسہ کرنا ہے۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق توکل کا مطلب کام کرنا اور پھر اللہ پر چھوڑ دینا ہے۔

۴۔ سادگی

تذکرۃ الاولیاء میں سادگی کو ایک بہت بڑی اخلاقی خوبی کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ عطار نے اولیاء کے واقعات کے ذریعے یہ ثابت کیا ہے کہ سادگی اور بے تکلفی انسان کو اللہ کے قریب کرتی ہے۔

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں فضیل بن عیاض کے حوالے سے سادگی کو یوں بیان کیا ہے:

«فضیل بن عیاض را گفتند: تو چه می‌خوری؟ گفت: نان جو. گفتند: چرا؟ گفت: از آنکه پیغمبر علیه السلام نان جو می‌خورد. گفتند: تو چه می‌پوشی؟ گفت: پشمینه. گفتند: چرا؟ گفت: از آنکه پیغمبر علیه السلام پشمینه می‌پوشید»[30]

ترجمہ: "فضیل بن عیاض سے پوچھا گیا: تم کیا کھاتے ہو؟ انہوں نے کہا: جو کی روٹی۔ کہا گیا: کیوں؟ کہا: اس لیے کہ پیغمبر علیہ السلام جو کی روٹی کھاتے تھے۔ کہا گیا: تم کیا پہنتے ہو؟ کہا: اون کا کمبل۔ کہا گیا: کیوں؟ کہا: اس لیے کہ پیغمبر علیہ السلام اون کا کمبل پہنتے تھے۔"

فضیل بن عیاض نے سادگی کی تعریف کو نبوی اخلاق سے جوڑ دیا ہے۔ ان کے نزدیک سادہ کھانا (جو کی روٹی) اور سادہ لباس (اون کا کمبل) اس لیے اپنایا کہ یہ پیغمبر علیہ السلام کا طریقہ تھا۔ یہاں سادگی صرف ایک اخلاقی خوبی نہیں بلکہ ایک مذہبی عمل ہے، کیونکہ یہ سنت نبوی کی پیروی ہے۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق سادگی سنت نبوی کا حصہ ہے اور اسے اپنانا چاہیے۔

---

[29] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۳۲۳

[30] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۱۰۹

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں ابراہیم بن ادھم کے حوالے سے سادگی کو یوں بیان کیا ہے:

«ابراهیم بن ادهم را در بیابان دیدند که جامه‌ای پشمینه پوشیده بود و نانی جو در دست داشت و از چشمه‌ای آب می‌خورد. گفتند: تو که پادشاه بودی، این چه حالت است؟ گفت: من اکنون پادشاه حقیقی شدم. آن پادشاهی ظاهری بود، این پادشاهی باطنی است»[31]

ترجمہ: "ابراہیم بن ادھم کو بیابان میں دیکھا گیا کہ انہوں نے اون کا کمبل پہن رکھا تھا، جو کی روٹی ہاتھ میں تھی، اور چشمے سے پانی پی رہے تھے۔ لوگوں نے کہا: تم جو بادشاہ تھے، یہ کیا حالت ہے؟ انہوں نے کہا: میں اب حقیقی بادشاہ بن گیا ہوں۔ وہ بادشاہت ظاہری تھی، یہ بادشاہت باطنی ہے۔"

ابراہیم بن ادھم نے سادگی کو بادشاہت سے بھی بڑھ کر مقام قرار دیا ہے۔ ان کے مطابق جب وہ بادشاہ تھے تو ان کی بادشاہت "ظاھری" (ظاہری) تھی، لیکن جب انہوں نے دنیا چھوڑ کر سادہ زندگی اختیار کی تو وہ "پادشاہ حقیقی" (حقیقی بادشاہ) بن گئے۔ یہاں سادگی کو روحانی بادشاہت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق سادگی انسان کو حقیقی عزت اور بادشاہت عطا کرتی ہے۔

مبحث چہارم: قاری پر اثرات

تذکرۃ الاولیاء کے قاری پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہ کتاب نہ صرف قاری کو علمی معلومات فراہم کرتی ہے بلکہ اس کی فکر کو بیدار کرتی ہے، اس کی روح کو بلند کرتی ہے، اس کے اخلاق کو سنوارتی ہے، اور اسے عملی تربیت عطا کرتی ہے۔ اس مبحث میں ہم ان اثرات کا تفصیلی جائزہ لیں گے۔

ا۔ فکری بیداری

تذکرۃ الاولیاء قاری کی فکر کو بیدار کرتی ہے۔ اس کتاب کی حکایات اور اقوال قاری کو سوچنے پر مجبور کرتے ہیں اور اسے نئے زاویوں سے دنیا دیکھنے کا موقع دیتے ہیں۔

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں حسن بصری کے حوالے سے فکری بیداری کو یوں بیان کیا ہے:

«حسن بصری را گفتند: به چه چیز به این مقام رسیدی؟ گفت: به تفکر. گفتند: تفکر در چه؟ گفت: در مرگ و در حساب و در قبر و در قیامت. هر که در این چهار چیز تفکر کند، دلش بیدار شود و از غفلت برهد»[32]

ترجمہ: "حسن بصری سے پوچھا گیا: تم اس مقام تک کیسے پہنچے؟ انہوں نے کہا: غور و فکر کے ذریعے۔ کہا گیا: کن چیزوں میں غور و فکر کیا؟ کہا: موت، حساب، قبر، اور قیامت میں۔ جو ان چار چیزوں میں غور و فکر کرتا ہے، اس کا دل بیدار ہو جاتا ہے اور وہ غفلت سے نجات پا جاتا ہے۔"

حسن بصری نے فکری بیداری کے لیے "تفکر" (غور و فکر) کو ضروری قرار دیا ہے۔ ان کے مطابق چار چیزوں میں غور و فکر کرنا چاہیے: "مرگ" (موت)، "حساب" (حساب کتاب)، "قبر" (قبر)، اور "قیامت" (قیامت)۔ ان چیزوں پر غور کرنے سے انسان کا دل بیدار ہو جاتا ہے اور وہ "از غفلت برھد" (غفلت سے نجات پا جاتا ہے)۔ تذکرۃ الاولیاء کی حکایات قاری کو اسی قسم کے غور و فکر کی طرف دعوت دیتی ہیں۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا فکری اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق حقیقی فکری بیداری کا تعلق آخرت کی فکر سے ہے۔

---

[31] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۱۲۸

[32] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۴۵

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں شقیق بلخی کے حوالے سے فکری بیداری کو یوں بیان کیا ہے:

«شقیق بلخی را گفتند: تو چگونه به این مقام رسیدی؟ گفت: به سه چیز: به گرسنگی و شب‌زنده‌داری و تفکر. گفتند: تفکر در چه؟ گفت: در ملکوت آسمانها و زمین. هر که در ملکوت آسمانها و زمین تفکر کند، دلش به نور معرفت روشن شود»[33]

ترجمہ: "شقیق بلخی سے پوچھا گیا: تم اس مقام تک کیسے پہنچے؟ انہوں نے کہا: تین چیزوں سے: بھوک، رات کو جاگنا، اور غور و فکر۔ کہا گیا: کن چیزوں میں غور و فکر کیا؟ کہا: آسمانوں اور زمین کی بادشاہی میں۔ جو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی میں غور و فکر کرتا ہے، اس کا دل معرفت کے نور سے روشن ہو جاتا ہے۔"

شقیق بلخی نے فکری بیداری کے لیے تین چیزیں ضروری بتائی ہیں: "گرسنگی" (بھوک)، "شب زندہ داری" (رات کو جاگنا)، اور "تفکر" (غور و فکر)۔ لیکن سب سے اہم "تفکر" ہے، اور وہ بھی "در ملکوت آسمانها و زمین" (آسمانوں اور زمین کی بادشاہی میں)۔ اس تفکر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ "دلش به نور معرفت روشن شود" (اس کا دل معرفت کے نور سے روشن ہو جاتا ہے)۔ تذکرۃ الاولیاء کی حکایات قاری کو اسی قسم کے تفکر کی طرف راغب کرتی ہیں۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا فکری اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق فکری بیداری کا تعلق کائنات کے اسرار پر غور کرنے سے ہے۔

۲۔ روحانی ارتقاء

تذکرۃ الاولیاء قاری کی روحانی ارتقاء میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس کتاب کی حکایات قاری کے دل کو صفائی دیتی ہیں اور اسے اللہ کے قریب کرتی ہیں۔

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں جنید بغدادی کے حوالے سے روحانی ارتقاء کو یوں بیان کیا ہے:

«جنید را گفتند: راه به سوی خدا چیست؟ گفت: دو قدم است: یکی از خود به خلق و یکی از خلق به خدا. اما قدم اول را کسی نتواند برداشت مگر به مجاهده و قدم دوم را کسی نتواند برداشت مگر به مشاهده»[34]

ترجمہ: "جنید سے پوچھا گیا: اللہ کی طرف راستہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: دو قدم ہیں: ایک اپنے آپ سے خلق کی طرف، اور دوسرا خلق سے اللہ کی طرف۔ لیکن پہلا قدم کوئی نہیں اٹھا سکتا مگر مجاہدے کے ذریعے، اور دوسرا قدم کوئی نہیں اٹھا سکتا مگر مشاہدے کے ذریعے۔"

جنید بغدادی نے روحانی ارتقاء کو دو قدموں میں تقسیم کیا ہے۔ "قدم اول" (پہلا قدم) "از خود به خلق" (اپنے آپ سے خلق کی طرف) ہے۔ یعنی انسان کو اپنی انانیت سے نکل کر لوگوں کی طرف آنا ہے، اور یہ قدم "مجاهده" (نفس کے خلاف جدوجہد) کے ذریعے ممکن ہے۔ "قدم دوم" (دوسرا قدم) "از خلق به خدا" (خلق سے اللہ کی طرف) ہے۔ یعنی لوگوں سے گزر کر اللہ تک پہنچنا، اور یہ قدم "مشاهده" (اللہ کے مشاہدے) کے ذریعے ممکن ہے۔ تذکرۃ الاولیاء کی حکایات قاری کو ان دونوں قدموں کو اٹھانے کی ترغیب دیتی ہیں۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق روحانی ارتقاء کا سفر مجاہدہ سے شروع ہوتا ہے اور مشاہدہ پر ختم ہوتا ہے۔

[33] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۹۲

[34] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۲۵۶

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں ذوالنون مصری کے حوالے سے روحانی ارتقاء کو یوں بیان کیا ہے:

«ذوالنون مصری را گفتند: درجات اهل معرفت چیست؟ گفت: سه درجه است: درجه ایمان، درجه یقین، درجه عیان. ایمان به نقل است، یقین به عقل است، عیان به دل است. هر که به عیان رسد، او از شک و ریب فارغ بود»[35]

ترجمہ: "ذوالنون مصری سے پوچھا گیا: اہل معرفت کے درجے کیا ہیں؟ انہوں نے کہا: تین درجے ہیں: ایمان کا درجہ، یقین کا درجہ، اور عیان (دیکھنا) کا درجہ۔ ایمان نقل (سننے) سے ہے، یقین عقل سے ہے، اور عیان دل سے ہے۔ جو عیان تک پہنچ جاتا ہے، وہ شک اور شبہ سے فارغ ہو جاتا ہے۔"

ذوالنون مصری نے روحانی ارتقاء کے تین درجے بیان کیے ہیں۔ "درجہ ایمان" (ایمان کا درجہ) سب سے نچلا درجہ ہے، جو "نقل" (سننے) سے حاصل ہوتا ہے۔ "درجہ یقین" (یقین کا درجہ) درمیانی درجہ ہے، جو "عقل" سے حاصل ہوتا ہے۔ "درجہ عیان" (دیکھنے کا درجہ) سب سے بلند درجہ ہے، جو "دل" سے حاصل ہوتا ہے۔ جو شخص اس درجے تک پہنچ جاتا ہے، وہ "از شک و ریب فارغ بود" (شک اور شبہ سے فارغ ہو جاتا ہے)۔ تذکرۃ الاولیاء کی حکایات قاری کو ان تینوں درجوں سے گزرنے کی ترغیب دیتی ہیں۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق روحانی ارتقاء کا سفر ایمان سے یقین اور پھر عیان تک ہے۔

۳۔ اخلاقی اصلاح

تذکرۃ الاولیاء قاری کی اخلاقی اصلاح میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس کتاب کی حکایات قاری کو اس کی اخلاقی برائیوں سے آگاہ کرتی ہیں اور اسے اخلاقی خوبیاں اپنانے کی ترغیب دیتی ہیں۔

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں حسن بصری کے حوالے سے اخلاقی اصلاح کو یوں بیان کیا ہے:

«حسن بصری را گفتند: چگونه دل را پاک کنیم؟ گفت: با سه چیز: با ترک گناه، با یاد مرگ، و با صحبت صالحان. هر که این سه چیز را رعایت کند، دلش پاک شود و از صفات ناپسندیده برهد»[36]

ترجمہ: "حسن بصری سے پوچھا گیا: دل کو کیسے پاک کریں؟ انہوں نے کہا: تین چیزوں سے: گناہ چھوڑنے سے، موت کی یاد سے، اور نیک لوگوں کی صحبت سے۔ جو ان تین چیزوں کا خیال رکھتا ہے، اس کا دل پاک ہو جاتا ہے اور وہ ناپسندیدہ صفات سے نجات پا جاتا ہے۔"

حسن بصری نے اخلاقی اصلاح کے تین اصول بتائے ہیں۔ اول "ترک گناہ" (گناہ چھوڑنا) - یعنی برے کاموں سے بچنا۔ دوم "یاد مرگ" (موت کی یاد) - جو انسان کو غفلت سے بیدار کرتی ہے۔ سوم "صحبت صالحان" (نیک لوگوں کی صحبت) - جو انسان کو اچھی صحبت میں ڈال کر اس کے اخلاق کو سنوارتی ہے۔ ان تینوں کے ذریعے دل پاک ہو جاتا ہے اور "صفات ناپسندیدہ" (ناپسندیدہ صفات) سے نجات مل جاتی ہے۔ تذکرۃ الاولیاء کی حکایات قاری کو ان تینوں اصولوں کی طرف راغب کرتی ہیں۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق اخلاقی اصلاح کے لیے گناہ چھوڑنا، موت کو یاد رکھنا، اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا ضروری ہے۔

---

[35] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۲۰۵

[36] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۵۲

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں بایزید بسطامی کے حوالے سے اخلاقی اصلاح کو یوں بیان کیا ہے:

«بایزید را گفتند: من می‌خواهم که خود را اصلاح کنم. گفت: اول قدم آن است که ترک کنی هر چه را که تو را از خدا باز می‌دارد. گفتند: چه چیزها مرا از خدا باز می‌دارد؟ گفت: نفس و هوا و دنیا و شیطان. این چهار چیز را ترک کن، تا به خدا رسی»[37]

ترجمہ: "بایزید سے کہا گیا: میں اپنی اصلاح کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا: پہلا قدم یہ ہے کہ تم وہ سب کچھ چھوڑ دو جو تمہیں خدا سے روکتا ہے۔ کہا گیا: کون سی چیزیں مجھے خدا سے روکتی ہیں؟ کہا: نفس، خواہش، دنیا، اور شیطان۔ ان چاروں چیزوں کو چھوڑ دو، تو خدا تک پہنچ جاؤ گے۔"

بایزید بسطامی نے اخلاقی اصلاح کے لیے چار چیزوں کو چھوڑنا ضروری قرار دیا ہے: "نفس" (اپنی نفسانی خواہشات)، "ھوا" (خواہشات)، "دنیا" (دنیا کی محبت)، اور "شیطان" (شیطان کے وسوسے)۔ یہ چاروں وہ رکاوٹیں ہیں جو انسان کو خدا سے روکتی ہیں۔ انہیں چھوڑنے کے بعد ہی انسان خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ تذکرۃ الاولیاء کی حکایات قاری کو ان چاروں رکاوٹوں سے بچنے کی ترغیب دیتی ہیں۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق اخلاقی اصلاح کا پہلا قدم ان چیزوں کو چھوڑنا ہے جو خدا سے روکتی ہیں۔

۴۔ عملی تربیت

تذکرۃ الاولیاء قاری کی عملی تربیت میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس کتاب کی حکایات قاری کو عملی زندگی میں اخلاقی اصولوں کو اپنانے کی ترغیب دیتی ہیں۔

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں ابوسعید ابی الخیر کے حوالے سے عملی تربیت کو یوں بیان کیا ہے:

«ابوسعید را گفتند: ما را پندی ده. گفت: آنچه می‌دانید، به کار بندید و آنچه نمی‌دانید، از خدا بخواهید. پند من همین است که علم را به عمل پیوندید»[38]

ترجمہ: "ابوسعید سے کہا گیا: ہمیں کوئی نصیحت کرو۔ انہوں نے کہا: جو کچھ تم جانتے ہو، اس پر عمل کرو، اور جو نہیں جانتے، وہ اللہ سے مانگو۔ میری نصیحت یہ ہے کہ تم علم کو عمل سے جوڑو۔"

ابوسعید ابی الخیر نے عملی تربیت کا سب سے اہم اصول بیان کیا ہے: "علم را بہ عمل پیوندید" (علم کو عمل سے جوڑو)۔ ان کے مطابق جو کچھ انسان جانتا ہے، اس پر عمل کرنا چاہیے، اور جو نہیں جانتا، وہ اللہ سے مانگنا چاہیے۔ یہی عملی تربیت کا خلاصہ ہے۔ تذکرۃ الاولیاء کی حکایات قاری کو اسی اصول پر عمل کرنے کی ترغیب دیتی ہیں۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا عملی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق حقیقی تربیت کا تعلق علم کو عمل میں بدلنے سے ہے۔

عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں بایزید بسطامی کے حوالے سے عملی تربیت کو یوں بیان کیا ہے:

«بایزید را گفتند: چگونه به این مقام رسیدی؟ گفت: به کار بستن آنچه می‌دانستم. گفتند: تو چه می‌دانستی؟ گفت: می‌دانستم که خدا مرا می‌بیند. پس خواستم که او مرا در حالتی بیند که خوش دارد. پس ترک کردم هر چه را که او خوش نمی‌داشت. این بود کار من»[39]

ترجمہ: "بایزید سے پوچھا گیا: تم اس مقام تک کیسے پہنچے؟ انہوں نے کہا: جو کچھ میں جانتا تھا، اس پر عمل کر کے۔ کہا گیا: تم کیا جانتے تھے؟ کہا: میں جانتا تھا کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ پس میں نے چاہا کہ وہ مجھے ایسی حالت میں دیکھے جو اسے اچھی لگتی ہے۔ پس میں نے وہ سب کچھ چھوڑ دیا جو اسے اچھا نہیں لگتا۔ یہی میرا عمل تھا۔"

بایزید بسطامی نے عملی تربیت کا سب سے بنیادی اصول بیان کیا ہے: "مراقبہ" (خدا کی نگرانی کا شعور)۔ وہ جانتے تھے کہ "خدا مرا می بیند" (خدا مجھے دیکھ رہا ہے)۔ اس علم نے انہیں یہ عملی قدم اٹھانے پر مجبور کیا کہ وہ ہر اس چیز کو چھوڑ دیں جو خدا کو ناپسند ہے، اور وہ ہر اس حالت میں رہیں جو خدا کو پسند ہے۔ یہی عملی تربیت ہے۔ تذکرۃ

---

[37] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۱۸۲

[38] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۳۳۴

[39] عطار، تذکرۃ الاولیاء، ص ۱۹۱

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

الاولیاء کی حکایات قاری کو اسی مراقبے کی تربیت دیتی ہیں۔ قاری کے لیے اس حوالے کا سب سے بڑا عملی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء کے مطابق عملی تربیت کا راز یہ ہے کہ انسان یقین کر لے کہ اللہ اسے ہر وقت دیکھ رہا ہے۔

خلاصہ بحث

اس مضمون کے تفصیلی مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ تذکرۃ الاولیاء میں رمز، حکایت اور تمثیل کے ذریعے اخلاقِ محمدی ﷺ کی جمالیاتی تعبیر بڑے خوبصورت اور مؤثر انداز میں پیش کی گئی ہے۔

تذکرۃ الاولیاء کے تعارف میں ہم نے دیکھا کہ یہ کتاب ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں منگولوں کے حملوں کے پر آشوب دور میں لکھی گئی۔ اس کی ادبی اہمیت فارسی نثر کے شاہکاروں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کی صوفیانہ فکر کا مرکز اخلاقِ محمدی ﷺ ہے۔ اور اس کا اخلاقی مقصد قاری کو اولیاء کے حالات سے عبرت حاصل کرنا اور خود کو ان کے اخلاق سے آراستہ کرنا ہے۔

رمزی اسلوب کی معنویت میں ہم نے دیکھا کہ رمز اہلِ دل کی زبان ہے جسے صرف خاص لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس کے باطنی معانی ظاہری الفاظ سے کہیں گہرے ہوتے ہیں۔ اس کے اخلاقی اشارات صبر، رضا، توکل، اور سادگی جیسی خوبیوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ اور اس کی فکری گہرائی توحید، معرفت، اور عشق جیسے بلند تصورات تک پہنچتی ہے۔

حکایات میں اخلاقی تعلیمات کے تحت ہم نے دیکھا کہ اولیاء کے واقعات زہد، تواضع، اور عاجزی کی بہترین مثالیں ہیں۔ صبر و رضا کو شکایت نہ کرنے اور ہر حالت میں اللہ کی مرضی پر راضی رہنے کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ توکل کا مطلب اسباب کو اپناتے ہوئے اللہ پر بھروسہ کرنا ہے۔ اور سادگی کو سنت نبوی اور حقیقی بادشاہت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

قاری پر اثرات میں ہم نے دیکھا کہ تذکرۃ الاولیاء قاری کی فکر کو بیدار کرتی ہے اور اسے موت، حساب، قبر، اور قیامت پر غور کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ یہ اس کی روحانی ارتقاء میں اہم کردار ادا کرتی ہے اور اسے ایمان سے یقین اور پھر عیان کے درجوں تک لے جاتی ہے۔ یہ اس کی اخلاقی اصلاح کرتی ہے اور اسے گناہ چھوڑنے، موت کو یاد رکھنے، اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ اور یہ اس کی عملی تربیت کرتی ہے اور اسے علم کو عمل سے جوڑنے اور مراقبے کی حالت میں رہنے کی تعلیم دیتی ہے۔

یہ تحقیق اس اہم نتیجے پر ختم ہوتی ہے کہ تذکرۃ الاولیاء نہ صرف اولیاء اللہ کے حالات کا ایک مجموعہ ہے بلکہ اخلاقِ محمدی ﷺ کی جمالیاتی تعبیر کا ایک شاہکار ہے۔ عطار نے اس کتاب میں رمز، حکایت اور تمثیل کے ذریعے نبوی اخلاق کو اتنا خوبصورت اور مؤثر بنایا ہے کہ وہ صدیوں سے قارئین کے دلوں پر نقش ہو رہا ہے۔

مصادر و مراجع

ادوارد براؤن، تاریخ ادبیات ایران، ترجمہ رشید یاسمی (تہران: بنیاد فرهنگ ایران، ۱۳۵۴ش)۔

رینالڈ ایلن نکلسن، تذکرۃ الاولیاء (انگریزی ترجمہ)، مقدمہ (لندن: لوزاک اینڈ کمپنی، ۱۹۰۵)، صxii۔

فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء، تصحیح محمد استعلامی (تہران: زوار، ۱۳۸۵ش)۔

محمد استعلامی، مقدمہ بر تذکرۃ الاولیاء (تہران: زوار، ۱۳۸۵ش)۔

محمد رضا شفیعی کدکنی، مقدمہ بر تذکرۃ الاولیاء (تہران: سخن، ۱۳۸۶ش)۔

کلاڈیا یاگھوبی، " s Embrace of 'Attar Nishapuri`Submission versus Transgression: Farid al-Din "Diversity" (Dissertation, University of California, Santa Barbara, 2013)۔